احسن فاروقی کے ناول ''شامِ اودھ'' میں سوانحی اشارے

سید عبدالعزیز بخاری*
ڈاکٹر روبینہ رفیق**

Abstract:

Dr. Ahsan Farooqi was an important critice, novelist and story writer. He was an eminent tigure in the field of language and literature. Dr. Ahsan Farooqi has left a good and valuable meterial of literature behind him. His literacy capital reflect upon his literary mode of action. Dr. Ahsan Farooqi has written many novels "Sham-e-Awadh" is one of them. The life discussed in this novel is almost the real life of the writer. some important events appear with regard to his life. These autobiographical features has been highlighted in this article.

یہ بات عموماً سفر نامہ نگار کے بارے میں کہی جاتی ہے کہ وہ اپنی نرگسیت کے پاسپورٹ پر سفر کرتا ہے۔(۱) لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو بعض تخلیق کار دوران سیاحت ہی نہیں اپنے تخلیقی سفر کے دوران بھی اسی پاسپورٹ کو ساتھ رکھتے ہیں۔ایسے ہی تخلیق کاروں کی صف میں ڈاکٹر احسن فاروقی بھی شامل ہیں۔ان کی نرگسیت الفتِ ذات سے زیادہ احساس عظمت سے سرشار نظر آتی ہے اور یہ احساس اس قدر شدید ہے کہ اسے مقدس دیوانگی سے تعبیر کیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ احسن فاروقی ایک کثیر اللسان شخص تھے۔ وہ انگریزی، فارسی، عربی، جرمن،

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو واقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور۔
** شعبہ اردو واقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور۔

فرانسیسی، لاطینی اور یونانی زبانوں میں مہارت رکھنے کے ساتھ ان کے ادب سے بھی واقف تھے۔ وہ ایک کثیر المطالعہ شخص تھے۔ نوعمری میں اسکاٹ کی ناولوں کا ایسا چسکا لگا کہ چار برس میں اس کے سارے ناول پڑھ ڈالیں۔ ''شامِ اودھ'' لکھنے تک انگریزی کا کوئی بڑا ناول نگار ایسا نہ بچا جس کے سب ناول نہ پڑھے ہوں۔ جین آسٹن، ڈکسن، سیموئیل بنکر، ہنری جیمس، ورجینیا وولف، شیکسپیئر اور برناڈ شا سے متاثر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے اپنے وسیع المطالعہ ہونے پر فخر کا اظہار کرتے ہیں کیوں کہ اسی سبب سے وہ ناول کی فنی باریکیوں سے واقف ہوئے اور ان میں ناول نگاری کے حوالے سے ایک گہرا تنقیدی شعور بھی پیدا ہوا۔ اور انہیں اپنے اس تنقیدی شعور پر ناز ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''شاید ہی اُردو کا کوئی ناول نگار مجھ سے زیادہ ناول کے فن سے کبھی واقف ہوا ہو۔''(۲)

یہ حقیقت ہے کہ ان کے ناولوں ''شامِ اودھ'' (۱۹۵۸ء)، ''رہِ رسم آشنائی'' (۱۹۴۹ء)، ''آبلہ دل کا''، ''رخصت اے زنداں'' (۱۹۵۶ء)، ''سنگِ گراں اور'' (۱۹۶۰ء) اور ''سنگم'' (۱۹۶۰ء) میں فنی تنظیم پر اس مطالعہ کے اثرات نظر آتے ہیں جس کی توصیف اکثر ناقدین نے کی ہے۔

یہ ناول نا صرف ڈاکٹر احسن فاروقی کے وسیع مطالعہ کے شاہد ہیں بلکہ ان کے گہرے اور باریک بیں مشاہدے کی گواہی بھی دیتے ہیں اور یہ گہرا مشاہدہ ان کے ناولوں کی فکری جہت کو متنوع بناتا دکھائی دیتا ہے۔ عام طور پر ان کے اِردگرد سانس لیتی دنیا، ماحول، اور فضا ہی ان کے ناولوں میں مواد کی فراہمی کا وسیلہ بنتی نظر آتی ہے۔ بقول حسین انجم:

> ''وہ موضوعات گردوپیش سے چنا کرتے تھے۔ کبھی کسی ادبی محفل میں کسی کی زبان سے نکلا ہوا تہہ دار جملہ، کبھی کوئی تازہ بہ تازہ وقوع پذیر ہونے والا واقعہ، کسی محفل کی زیرلب گفتگو، کبھی پاس پڑوس میں پروان چڑھنے والا عشق ان کے اشہب قلم کے لیے تازیانہ ہوتا۔''(۳)

لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ان کا گردوپیش عموماً ان کی ذات اور اس سے وابستہ دنیا پر مبنی ہے۔ ان کے نجی تجربات اور ذاتی مشاہدہ ہی ان کے یہاں بار پاتے ہیں۔ اس لیے ان کے ناولوں میں پیش کردہ واقعات ان کی ذاتی زندگی میں پیش آنے والے واقعات، حادثات اور تجربات کا ہی عکس ہیں۔ جن واقعات اور حادثات میں ان کی نجی زندگی پر اثرات مرتب کیے۔ وہ اپنے ناولوں کے کرداروں کو بھی انہی حالات وحادثات سے نبرد آزما دکھاتے ہیں۔ لیکن نیچرل قصہ گوئی کے قائل ہونے کے باوجود خالص حقیقت نگاری کے نہیں بلکہ تخیل کی آمیزش کو بھی ضروری تصور کرتے ہیں۔(۴)

''شامِ اودھ'' ان کا سب سے معروف ناول ہے۔ جو لکھنوی تہذیب کی عکاسی اور فنی تنظیم کے حوالے سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ''شامِ اودھ'' اودھ کی مخصوص تہذیب کے زوال کی شام ہے۔ ان روشن روایات اور اقدار

کے بجھنے کی خبر ہے جو شخصی اور معاشرتی نکھار میں اہم کردار ادا کرتی تھیں۔ اور اب وقت کے بدلتے ہوئے منظر نامے میں اضافی تصور کی جا رہی تھیں۔ اودھ کی اس مٹتی ہوئی تہذیب کی وضع داری کی علامت نواب ذوالفقار علی خان ہیں جن کے ساتھ ایک پورا خاندان ہیں۔ نوکر چاکر، دوست احباب، قرابت دار، جن کے بنتے بگڑتے باہمی تعلق، رشتے اور رویے ایک خاص تہذیب کی شائستگی، رواداری اور وضع داری کے ساتھ ساتھ عزت اور بے عزتی کے مخصوص معیارات کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ اور ایک تہذیب کے غروب اور دوسری کے طلوع کا سندیس بھی بن جاتے ہیں۔ یوں ''شامِ اودھ'' ایک خاص عہد کی سماجی تاریخ کو بھرپور طریقے سے بیان کرتا ہے۔ **(۵)**

ڈاکٹر احسن فاروقی اس سماجی تاریخ کے رقم ہونے کے وقت کے عینی شاہد ہیں۔ ناول میں پیش کردہ واقعات بہت حد تک ان کی نجی زندگی کی بازگشت ہیں۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> ''میرا تمام تجربہ زندگی میرے تصور میں قصہ بن جاتا ہے اور میں اسے لکھ ڈالتا ہوں۔ ''شام اودھ'' کو لوگ محض تخیلی چیز سمجھتے ہیں کیوں کہ اس میں جو حالات ہیں وہ عام زندگی سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ مگر ۱۹۳۹ء تک میں جس ماحول میں رہا وہ بالکل اسی طرح کا ماحول تھا۔ اس ماحول کے ختم ہونے پر میں جدید دنیا کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔ مگر اس سن میں ایک قسم کی فراغت میسر آئی تو میرا بچپن کا تمام تجربہ ایک قصہ بننے لگا۔۔۔۔ اس تصور سے رعنائیِ خیال پیدا ہوئے اور ''شامِ اودھ'' کا قصہ آپ سے آپ بننا شروع ہو گیا۔'' **(۶)**

ڈاکٹر احسن فاروقی قیصر باغ بلہرہ ہاؤس لکھنو میں پیدا ہوئے۔ یہ کوٹھی ان کی پھوپھی کی تھی۔ ان کی پھوپھی کی شادہ راجہ کاظم حسین خان بلہرہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> ''میری پھوپھی ریاست بلہرہ کی گزارہ دار رانی تھیں اور بلہرہ ہاؤس انہیں زندگی بھر رہنے کو ملا تھا۔ ۱۹۴۳ء تک میں بلہرہ ہاؤس قیصر باغ میں رہتا تھا۔ پیدائش سے لے کر انتیس برس کے سن تک زندگی کی ساری گولڈن پرائم اسی میں گزری۔'' **(۷)**

''شامِ اودھ'' میں جس ''قصر الفضاء'' کا ذکر ہے یہ دراصل وہی قیصر باغ ہے جس کا ذکر ڈاکٹر صاحب نے کیا ہے۔ یہ باغ واجد علی شاہ کے خاص محل کی کوٹھی کے قریب تھا۔ **(۸)** ''شامِ اودھ'' کا پورا قصہ ''قصر الفضا'' میں رہتا بستا ہے۔ اسی کی مختلف راہ داریوں، کمروں اور غلام گردشوں میں گھومتا پھرتا ہے۔ اسی کے آس پاس کے منظروں کو حیاتِ جاوداں دیتا ہے۔ قیصر باغ کی یہ کوٹھی فاروقی صاحب کی جنم بھومی ہے۔ اس سے محبت کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اس مقام کو جس سے ان کی ''سنہری یادیں'' وابستہ ہیں اس کے تمام تر داخلی اور خارجی نقوش سمیت زندہ کر دیں۔ اور پھر اس مقام سے صرف انہی کی نہیں ان کے خاندان کے دیگر افراد کی یادیں جڑی ہیں۔ ناول میں

''قصر الفضا'' کے قریب ایک کنویں کا ذکر ہے۔ جہاں چھوٹک نواب وظائف کیا کرتے ہیں۔ یہ کنواں اب تک موجود ہے۔(۹) قیصر باغ لکھنو کے قریب یہ وہی کنواں ہے جس کی منڈیر پر بیٹھ کر ڈاکٹر احسن فاروقی کے چچا وظائف کیا کرتے اور اسی بنا پر پاگل ہو گئے تھے۔

ناول میں مجلسی اور تہذیبی زندگی کی جتنی بھی تصویریں ہیں وہ سب حقیقی ہیں۔ یہ سب وہ مناظر ہیں جو قیصر باغ کی کوٹھی کے صحنوں، دالانوں اور کمروں میں وقوع پذیر ہوئے۔ ان کی شبیہ مصنف کے دل، دماغ اور آنکھ کے پردے پر زندہ اور متحرک انداز میں محفوظ ہے۔ خاص طور پر ناول میں تصویر ہونے والی مذہبی مجالس کا رنگ ڈھنگ بعینہٖ وہی ہے۔ ڈاکٹر احسن فاروقی کی پھوپھی جس رنگ ڈھنگ سے قیصر باغ میں ان مذہبی مجالس یعنی مجالس عزا کا اہتمام کرتی تھیں۔ احسن افاروقی کے ادبی ذوق اور تہذیبی و مذہبی فکر کی پرداخت انہی مجالس کے زیر اثر ہوئی:

> ''میرے جمالیاتی ذوق کی تربیت میں ان مجالس کا بڑا حصہ ہے۔ ہر قسم کی تہذیب، ہر قسم کے رکھ رکھاؤ کی تربیت ہو گئی۔ ادبی ذوق شاید میں لے کر پیدا ہوا تھا مگر اس کو جتنی تربیت کی ضرورت تھی وہ ان مجلسوں سے ہی حاصل ہو گئی۔ یہی میرے ذوق کی بنیاد ہوا اور بعد میں اسی پر ادب کے ذوق کی عمارت بنتی گئی جس سے میں ہمکنار ہوا۔''(۱۰)

''شام اودھ'' میں حیدر نواب ڈاکٹر احسن فاروقی کے قائم مقام ہیں۔ ان کی فکری، علمی اور ادبی تربیت میں بھی ان مجالس کا بڑا دخل ہے۔ مذہبی مجالس کے پہلو بہ پہلو اہم تقریبات کے انعقاد کا انداز بھی وہی ہے جو احسن فاروقی کے اپنے تجربے میں آیا۔ مثال کے طور پر آغا نواب کی شادی کا منظر جو اتنی جزئیات کے ساتھ موجود ہے کہ آنکھوں دیکھا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خود احسن فاروقی کی اپنی شادی کا منظر ہے۔ اس کا اعتراف انہوں نے اپنی بیگم کے ہمراہ ایک ہفت روزہ رسالے کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا:

> ''میرے ناولوں کے سب اصل کرداروں سے یہ واقف ہیں۔ کیوں بھئی بیگم! شام اودھ میں جو برات کا واقعہ ہے وہ کس کا ہے۔ وہ بولیں ہماری برات کا ہے اور تعلقہ داروں میں ہم سب کو جانتے ہیں۔''(۱۱)

ناول کی فضا، ماحول، واقعات اور تقریبات ہی احسن فاروقی کے سوانحی تجربات کا عکس نہیں بلکہ کرداروں میں بھی خود ان کی، ان کے عزیز و اقارب اور احباب کی جھلک نظر آتی ہے۔ ان کے ہاں عظمت کا زعم ہے۔ وہ اپنے کرداروں کی شخصیت کو عظیم اور پرشکوہ ثابت کرنے کے لیے اپنے شخصی اوصاف پیدا کرتے ہیں۔ ''شام اودھ'' کے حیدر نواب مصنف خود ہیں۔ حیدر نواب کی دل چسپیاں، پسند ناپسند، رہن سہن، مزاج، تعلیمی قابلیت، سبھی فاروقی صاحب سے مشابہ ہیں۔ حیدر نواب فطرت میں دل چسپی رکھتے ہیں۔ دریائے گومتی ان کا پسندیدہ مقام ہے۔

درختوں اور پرندوں سے بھی الفت رکھتے ہیں۔ یہ سب ڈاکٹر احسن فاروقی کے مزاج کے رنگ ہیں۔فطرت اوراس کے مختلف مظاہران کے لیے سکون بخش تھے۔وہ جب بھی پریشان ہوتے دریائے گومتی چلے جاتے اور پہروں وہاں بیٹھے رہتے۔''(۱۲)

پھر ناول میں ایک حیدرنواب ہی ہے جو پڑھا لکھا ہے۔انگریزی تعلیم حاصل کررہا ہے بلکہ سول سروس کی تیاری کررہا ہے۔احسن فاروقی بھی اپنے خاندان میں واحد تھے جوانگریزی تعلیم حاصل کر کے ایم۔اے تک پہنچے اور سول سروس کی تیاری بھی کی۔اس کے علاوہ حیدرنواب کو جن واقعات، تجربات اور حادثات کا سامنا کرنا پڑا وہ دراصل خود فاروقی صاحب کوزندگی میں پیش آنے والے تجربات، واقعات وحادثات کی بازگشت ہیں۔حتیٰ کہ حیدر نواب کے عشق کا تجربہ بھی وہی ہے جو فاروقی صاحب کی اوائل عمری کا تجربہ ہے اور جوان کے دل کے نہاں خانوں میں ہمیشہ موجود رہا۔فاروقی صاحب کو۱۴سال کی عمر میں عشق ہوا وہ 'شام اودھ' میں انجمن آرا کی صورت میں سامنے آ گئی۔(۱۳) حیدرنواب انجمن آرا سے محبت کرتے ہیں لیکن غیر کفو ہونے کے باعث رشتہ نہیں ہو پاتا۔حیدرنواب اورانجمن آرا کی محبت کا قصہ بھی احسن فاروقی کی محبت کی طرح شادکامی سے محروم رہا۔لیکن حیدرنواب اورانجمن آرا کے درمیان محبت اشعار کے تبادلے اور گیتوں کی محفل کے درمیان جو رومانی فضا قائم کی گئی ہے،ایسی فضا جو محبت کی بھینی بھینی خوشبو سے معمور ہے۔سستی جذباتیت پیدانہیں کرتی،اس کے حوالے سے ڈاکٹرجمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''یہاں رومانیت محض جذباتیت کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں ایک ایسی حقیقی دنیا کو پیش کیا گیا ہے جو موجود تھی جس کا تجربہ ناول نگار نے کیا تھا۔''(۱۴)

حیدرنواب جنس لطیف میں دل چسپی رکھتے ہیں لیکن عیاش نہیں۔انہیں مواقع بھی ملتے ہیں لیکن وہ ان کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھاتے اس کی بنیادی وجہ انجمن آرا سے محبت ہے۔ڈاکٹر فاروقی کے مزاج کی ایسی ہی جہت کا ذکر ڈاکٹرحسرت کاس گنجوی نے کیا ہے:

> ''جنس لطیف سے دل چسپی ان کی زندگی کا اہم حصہ رہی ہے۔حالاں کہ وہ جنسی بے راہ روی میں کبھی مبتلا نظر نہیں آتے۔گو کہ وہ جس ماحول میں پروان چڑھے اس میں جنسی آزادی زیادہ تھی۔اپنے عزیزوں کی طرح عیاشی میں مبتلا ہو جانے کا اچھا موقع تھا۔لیکن ایک مخصوص عشق نے جو کہ ایک نامکمل سی چیز تھی ان کو ہر جنسی برائی سے بچا لیا۔اس عشق کی جھلک ان کے ہر ناول میں کسی نہ کسی صورت میں ضرور آ جاتی ہے۔''(۱۵)

ناول میں حیدرنواب اورانجمن آرا کی مددگار خاص کنیز 'نو بہار' بھی ہے۔جوان دونوں کے درمیان

ملاقات کے مواقع پیدا کرتی ہے۔ حیدر نواب سے محبت وعقیدت رکھتی ہے حیدر نواب کے دل میں بھی ان کے لیے نرم و نازک احساسات موجود ہیں نو بہار کا خیال آتے ہیں ان کے چہرے پر ذرا سی مسکراہٹ کھیلتی ہے۔ اس کی چاہت انہیں سرشار کرتی ہے اور اس کی یاد انہیں زندہ کر دیتی ہے۔(۱۶) یہ نو بہار تخیلی کردار نہیں بلکہ احسن فاروقی کے نجی تجربے کا عکس ہے اور نسائی حسن وخوبی سے متعلق ان کے تصورات کا مجسم اظہار بھی۔

''میں چودہ برس کا تھا تب میں نے ایک لڑکی دیکھی تھی اس پر عجیب عالم تھا وہ ''شام اودھ'' کی انجمن آرا کی صورت میں آ گئی۔ پھر کئی لڑکیوں کے تصورات تھے۔ 'شام اودھ' لکھنے سے پیشتر ایک لڑکی آتی جو کئی تصورات کا امتزاج تھی۔ وہ نو بہار ہو گئی۔''(۱۷)

اس ضمن میں ڈاکٹر حسن کاس گنجوی لکھتے ہیں:

''ایک لڑکی نو بہار قسم کی انہیں لکھنو یونی ورسٹی میں نظر آئی اور اس کی بیشتر خصلتوں کے ساتھ انہوں نے اسے زندہ وجاوید کر دیا۔''(۱۸)

مرکزی کرداروں کے علاوہ کئی ذیلی کردار بھی ایسے ہیں جو اگر چہ ایک مٹتی ہوئی تہذیب کی آخری نشانیاں ہیں۔ لیکن تخیل محض کی پیداوار نہیں بلکہ یہ سب وہ اعزہ واقربا یا احباب ہیں جو بچپن سے لے کر جوانی تک احسن فاروقی کے گرد وپیش میں رہے۔ ان میں سلطان بہادر، اکبر علی خان جو حیدر نواب کے ساتھ قصر الفضا میں رہتے ہیں۔ کوئی کام کاج نہیں کرتے محض باتوں کے طوطے مینا اڑاتے ہیں۔ یہ دراصل وہ رشتہ دار ہیں جن کا ذکر ڈاکٹر فاروقی نے اپنی سوانح عمری میں بھی کیا ہے۔

''وثیقہ دار نوابان اودھ کی اولاد عیش وآرام طلبی، لذت کاہلی کے بندے رانی صاحب کی زرخرید لونڈیوں کے داماد تھے اور اپنے تئیں رانی صاحب کا داماد کہلواتے پھرتے تھے۔ سلطان بہادر، امین آباد والے دولہا میاں اکبر علی خان کانپور والے دولہا میاں۔ ۔۔شام اودھ کے سلطان علی خان اور اکبر علی خان ان ہی کا عکس ہیں۔''(۱۹)

ناول کا مرکزی کردار نواب ذوالفقار علی خان ہیں۔ جو اس دم توڑتی تہذیب کو سہار رہے ہیں۔ مصنف نے ان کا ذکر نہایت عقیدت، محبت اور احترام کے ساتھ کیا ہے ان کی بارعب شخصیت، دبدبے، طنطنے اور وضع داری کو بھرپور طریقے سے نمایاں کیا ہے۔ نواب صاحب ماضی کی روایات کے امانت دار ہی نہیں پاسدار بھی ہیں اور انہیں ہر طرح سے قائم رکھنے کی کوشش میں ہیں۔ قدیم وضع داری، رواداری اور رکھ رکھاؤ ان کے کردار میں مشخص ہوتے ہیں۔ یہ کردار بھی فاروقی صاحب کی زندگی کے نہایت اہم اور دل کے بہت قریب لوگوں میں سے ہے دراصل نواب صاحب کا کردار کچھ چھوٹی بڑی تبدیلیوں کے ساتھ ان کے ہی والد صاحب نواب محمد حسن کا کردار ہے۔(۲۰)

نواب ذوالفقار علی خان کیک وفات کے منتظر کو نہایت جذباتی انداز میں بیان کرتے ہیں۔ان کو قبر میں اتارنے کے بعد حیدر نواب کے تاثرات دراصل مصنف کے اپنے اس وقت کے تاثرات ہیں جو ان پر اپنے والد محروم کو قبر میں اتارنے کے بعد طاری ہوئے۔(۲۱) احسن فاروقی خود اس بارے میں رقم طراز ہیں:

> ''میری یادیں عموماً کسی قریب عزیز کے مرنے پر شدت سے زندہ ہونے لگتی ہیں۔میں اور وہ پوری دنیا سامنے آنے لگتی ہے جس کا مرنے والا مرکز تھا۔'شام اودھ' میرے والد کی موت پر اسی قسم کی یادوں کے ہجوم سے بن گئی تھی۔''(۲۲)

غرض اس ناول میں 'قصر الفضا' وہاں کی اندرونی سرگرمیاں عمومی اور انوکھے واقعات حقیقی ہیں۔قصر الفضا میں جتنے کردار نظر آتے ہیں ان میں خود ڈاکٹر احسن فاروقی کی شخصیت کے ساتھ ان کے ساتھیوں، رشتہ داروں اور ملازمین کے کردار کی جھلک نظر آتی ہے۔کہیں کچھ واقعات اور مماثلتیں کم کرتے ہیں اور کہیں زیب داستان کے لیے افسانہ کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹر احسن فاروقی نے قصر الفضا کو مرکز بنا کر لکھنؤ کی مٹتی ہوئی تہذیب اور نوابوں کے ظاہری رکھ رکھاؤ کو خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔اس ناول میں ماضی کی پاسداری کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات کی عکاسی بھی کی گئی ہے۔مفکرانہ سنجیدگی بھی ہے اور طنز و مزاح کی ہلکی لہر بھی۔رومانیت کی چاشنی بھی ہے اور ٹریجڈی بھی۔گویا حقیقی واقعات کو تخیل کی کارفرمائی سے ایک خوب صورت فنی ترتیب دے کر ناول کی شکل دی ہے بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

> ''اردو ادب میں یہ ناول تعمیر کی خوبصورت مثال ہے۔شام اودھ کی تعمیر ایک خوبی یہ ہے کہ قصے کی جو شکل شعوری طور پر بنائی گئی ہے وہ کہیں پر ظاہر نہیں ہوتی بلکہ قصے میں چھپی ہوئی ایسی چلتی ہے کہ پڑھنے والے کی توجہ قصے پر ہی رہتی ہے۔یہاں فن آمد اور بے ساختگی بن گیا ہے۔اس میں پلاٹ یا عمل کا وہ اتحاد اور تنوع بھی ملتا ہے جو انگریزی ڈرامے کی خاص صفت ہے۔''(۲۳)

اس صفت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب ایسی زندگی کو پیش کر رہے تھے جس سے وہ خود وابستہ رہے۔ایسے ماحول کی عکاسی کی جو ان کے سامنے تھا۔ایسی محبت کی کہانی لائے جو ان کی اپنی تھی۔حقیقی واقعات، حقیقی کردار اور حقیقی فضا جب تخیل کے پیرائے میں ڈھلی تو ایسا قصہ سامنے آیا جس میں تمام خصوصیات یکجا ہو گئیں۔یوں یہ ناول ان کی پہچان کا بڑا حوالہ بن گیا۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، ''اردو ادب میں سفر نامہ''، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۸ء
۲۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر، ''ادبی تخلیق اور ناول''، سندھ ساگر اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۳ء، ۱۳۷
۳۔ حسین انجم، ''ڈاکٹر احسن فاروقی چند واقعات کے حوالے سے''، طلوع افکار، کراچی، جنوری ۱۹۹۲ء
۴۔ عبدالسلام، ڈاکٹر، ''اردو ناول بیسوی صدی میں''، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۷۳ء
۵۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، ''اردو ناول کے بدلتے تناظر''، ویلکم بک پورٹ کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۴۵
۶۔ ''ادبی تخلیق اور ناول''، سندھ ساگر اکیڈمی، کراجی، ۱۹۶۳ء، ص ۵۱
۷۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر، ''مانی صاحب جائسی''، طلوع افکار، کراچی، ص ۱۸
۸۔ درشہوار، ''شام اودھ کا تنقیدی مطالعہ۔ایم اے اردو کا غیر مطبوعہ مقالہ''، مملوکہ سندھ یونی ورسٹی، حیدر آباد
۹۔ ایضاً
۱۰۔ ''دل کے آئینے میں''، سیپ، کراچی، ص ۱۸۲
۱۱۔ ہفت روزہ اخبارِ جہاں، کراچی، شمارہ ۱۲ فروری ۱۹۶۷ء، ص ۳۵
۱۲۔ ''بیسویں صدی میں اردو ادب''، ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی، اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی، ۱۹۸۸ء ص ۵۱۶
۱۳۔ ''ادبی تخلیق اور ناول''، ص ۵۱
۱۴۔ جمیل جالبی، ''نئی تنقید''، مرتبہ خاور جمیل، رائل بک ڈپو کراچی، ۱۹۸۵ء ص ۱۶۵
۱۵۔ ''بیسویں صدی میں اردو ادب''، ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی، اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی، ۱۹۸۸ء ص ۵۱۷
۱۶۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر، ''شام اودھ''، اردو اکیڈمی، سندھ، ۱۹۵۷ء، ص ۱۷۶
۱۷۔ ''ادبی تخلیق اور ناول''، ص ۵۱
۱۸۔ حسرت کاس گنجوی، ڈاکٹر، ''بیسویں صدی میں اردو ادب''، ص ۵۱۸
۱۹۔ ''دل کے آئینے میں''، ص ۱۸۴
۲۰۔ ایضاً، ص ۱۸۱
۲۱۔ ''بیسویں صدی میں اردو ادب''، ص ۵۲۰
۲۲۔ درشہوار، ''شام اودھ کا تنقیدی مطالعہ''، ص ۵
۲۳۔ جمیل جالبی، ''نئی تنقید''، ص ۱۷۰